وحدۃ الوجود

کی حقیقت

مقدمہ

حضرت مفتی عزیز الرحمن فتحپوری مدظلہ

مفتی اعظم مہاراشٹر

دعائیہ کلمات

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

تصنیف

مولانا ندیم احمد انصاری

ڈائریکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا

ناشر

الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا

وحدۃ الوجود

کی حقیقت

تصنیف

مولانا ندیم احمد انصاری

ڈائریکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا

ناشر

الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا

فہرستِ مضامین

☆	مقدمہ	۴
☆	دعائیہ کلمات	۷
☆	پیش لفظ	۹
☆	عرضِ مؤلف	۱۲
۱	عقیدہ وحدۃ الوجود کا پس منظر	۱۳
۲	شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی تفصیل و تدوین	۱۳
۳	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور عقیدہ وحدۃ الوجود کی مخالفت و تنقید	۱۴
۴	عقیدہ وحدۃ الوجود کے غالی مبلغ و داعی اور ان کے اثرات و نتائج	۱۶
۵	عقیدہ وحدۃ الوجود ہندوستان میں	۱۷
۶	وحدۃ الشہود	۱۸
۷	ایک نئی تجدیدی شخصیت کی ضرورت	۱۹
۸	مجدد صاحبؒ کا اضافہ اور تجدیدی کارنامہ	۲۱
۹	وحدۃ الوجود---معنی و مطالب!	۲۲
۱۰	تحقیق کے درجات	۲۳
۱۱	توحید کیا ہے؟	۲۴

۱۲	اللہ تعالیٰ کی حقیقت	۲۴
۱۳	امام نسفیؒ فرماتے ہیں	۲۵
۱۴	امام غزالیؒ فرماتے ہیں	۲۶
۱۵	انسان خدا کو تکلیف پہنچاتا ہے	۲۹
۱۶	وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود	۳۱
۱۷	ضروری وصیت	۳۴
۱۸	مصادر و مراجع	۳۶

”صحیح موقف اور مفہوم کی کما حقہ ترجمانی کردی“

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب فتحپوری مدظلہٗ
مفتیٔ اعظم مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کریم نے جہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو بیان کیا ہے، ان میں ایک صفت تزکیہ بھی ہے۔ یہ تزکیہ، تعلیمِ کتاب وحکمت کے علاوہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ (1)

تزکیہ کا مطلب ہے تطہیر، یعنی کسی چیز کو پاک کرنا؛ یہاں قلب اور کردار سے اوصافِ ذمیمہ کو دور کرنا مراد ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس تزکیہ کے نتیجے میں حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت ایمان ویقین کے ساتھ اخلاص وحسنِ عمل سے آراستہ اور نفسانیت سے دور، انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے پاکیزہ جماعت تھی۔

جب یہ کیفیت راسخ ہوتی ہے، تو اعمال وعبادات میں استحضار کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔ حدیث شریف میں اس کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے کہ ”بندہ جب عبادت کرے تو اس کے اندر حضوری کی یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، اور جب یہ کیفیت اور رسوخ حاصل نہ ہو، اس وقت تک کم از کم اس تصور کے ساتھ عبادت کرے کہ گویا اللہ رب العزت اسے دیکھ رہا ہے۔“ حدیث شریف میں اس کیفیت کو ”احسان“ کا نام دیا گیا ہے۔ حدیث جبرئیلؑ میں تیسرا سوال حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہی کیا تھا کہ ”احسان کیا ہے یا رسول اللہ؟“

(1) سورۃ البقرۃ: ۱۲۹

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أن تعبد اللہ کأنک تراہ، فإن لم تکن تراہ فإنہ یراک." (1)

اس میں شک نہیں کہ تزکیہ اور احسان دونوں ہی قرآن وحدیث کی صراحت کے مطابق شرعاً مطلوب ہیں، اور یہ اس طرح کہ عملی سدھار اس کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔

حضرات صوفیاء کی کوششوں اور مجاہدات کا مقصد بھی یہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بذاتِ خود بیعتِ ایمان کے علاوہ اعمال وافکار کی اصلاح اور ثابت قدمی کے لیے بیعت لینا ثابت ہے، صوفیاء کرام کی بیعت کا مقصد بھی یہی ہے۔ مومن کو ایمان اور استحضار--- یہ منزل حاصل ہو جائے، اور اس کے قلب کی اس طرح تطہیر ہو جائے؛ وہ اوصاف جو ایمان کے منافی ہیں، وہ دور ہو کر انسان سچا بندۂ مومن بن جائے؛ حضرات صوفیاء کرام نے اس کے لیے کچھ نصاب مقرر کیے، جن میں ذکر اور مراقبہ وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ محبت کا پختہ یقین ہو جائے، یہ بھی تصوف کا بنیادی مقصد ہے، اس کو تصوف کی اصطلاح میں معرفت کہا جاتا ہے۔ یعنی بندے کو ذاتِ الٰہی کے یقین کے ساتھ اس کے اوصافِ کاملہ کے علاوہ اپنے عجز اور بندگی کا یقین بھی حاصل ہو جائے۔ اس مرحلے میں ان کی تعلیم یہ ہے کہ ہر وصفِ کمال صرف اسی ذاتِ برحق کے لیے ہے۔ علم ہے، تو اس کا۔ قدرت واختیار ہے، تو اس کا۔ رحم وکرم ہے، تو اس کا۔ بندہ نوازی ہے، تو اس کی۔ بندوں میں اس نوع کے جو اوصاف مثلاً: علم، قدرت، رحم وکرم وغیرہ ہوتے ہیں، ان کی حیثیت سمندر میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں اور جو بھی ہے وہ اس کی عطا ہے۔

انھیں اوصاف میں وجود بھی ہے۔ اصل اور کامل وجود اللہ تعالیٰ کا ہے، اس کے علاوہ مخلوق کو جو وجود حاصل ہے، وہ ناقص ہونے کے ساتھ ساتھ ربِ کریم کا عطیۂ محض ہے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے تو حقیقت کے خلاف نہ ہوگا کہ وجود صرف ذاتِ باری

(1) صحیح مسلم، حدیث: ۱

تعالیٰ کا ہے، جو نہ اپنے وجود اور بقا میں کسی کا محتاج ہے، نہ اس حقیقت میں کوئی اس کا شریک ہے، نہ اس میں کسی نوع کی کوئی کمی ہے۔ ساتھ ہی یہ وجود دائمی اور ابدی بھی ہے۔ مخلوق فانی ہے، اس کا وجود ناقص اور عطائے الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے یہ ہونا نہ ہونے کی طرح ہے، اسی کو تصوف کی اصطلاح میں ''وحدۃ الوجود'' کہا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تصوف کے جو سلسلے پائے جاتے ہیں، ان میں بہت سی جگہ غلو اور انحراف بھی پایا جاتا ہے، اور جاہل صوفیاء میں سے بعض نے اس کی آڑ میں مظہریت (مظہر وجودیت) کے دعوے کیے، مگر ہمارے اکابر کے نزدیک تصوف؛ اتباعِ سنت، اتباعِ شریعت، اخلاص اور اللہ کی سچی معرفت کے حصول کی جد و جہد کا نام ہے، ان حضرات نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وحدۃ الوجود کی اگر یہ تشریح کی جائے کہ بندے کا وجود اللہ تعالیٰ کا وجود ہے، یا وہ ذاتِ باری میں ضم ہو جاتا ہے، تو یہ گمراہی بلکہ کفر ہے۔ ان اکابر کی تشریحات کے مطابق وحدۃ الوجود کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اصل اور کامل وجود صرف اللہ رب العزت کا ہے۔ مخلوق کا وجود اس کی عطا ہونے کے علاوہ فانی اور ناقص بھی ہے، اس لیے اس قابل نہیں کہ اسے ذاتِ باری کے بالمقابل وجود مانا جائے۔

مولانا ندیم احمد انصاری سلمہ الباری کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس اہم موضوع پر قلم اٹھایا اور جو صحیح موقف اور مفہوم تھا، اس کی کما حقہ ترجمانی کر دی۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور انہیں مزید توفیق مرحمت فرمائے کہ وہ دین کی علمی خدمت میں پیش از بیش حصہ دار بنیں۔ امید ہے کہ یہ رسالہ عوام کے لیے بھی مفید ثابت ہوگا اور بہت سی غلط فہمیاں، جو تصوف اور صوفیاء کے متعلق پھیلائی جاتی ہیں، وہ اس سے دور ہو جائیں گی۔ ان شاء اللہ العزیز

عزیز الرحمن فتحپوری عفی عنہ

دعائیہ کلمات

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری مدظلہ
شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامداً و مصلیاو مسلماً:

جادۂ اعتدال کے دو متقابل کنارے: افراط و تفریط، روشن حقیقت اور امر بدیہی کو پیچیدہ اور عقدۂ لاینحل بنادیتے ہیں اور امور بدیہیہ میں غور وخوض بسا اوقات ان کو نظری بنادیتا ہے؛ کئی بے غبار وواضح عقائد کو معتزلہ کی فلسفیانہ موشگافیوں اور ہر چیز کو عقل کی ترازو سے تولنے والے بے عقلوں اور پیمانۂ دانش سے ناپنے کے ناحقیقت شناس خوگروں نے ایسا عمیق و گہرا اور ناآشنا ساحل سمندر بنادیا کہ ان کی سفینۂ تحقیق کبھی ساحل کو نہ پاسکی۔

کچھ ایسے ہی عقائد میں سے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود بھی ہیں۔ وحدۃ الوجود کی حقیقت صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے برابر کسی کا وجود نہیں، دوسرے وجودات اس کے سامنے اس قابل نہیں کہ ان کو وجود کہا جاسکے، گو کسی درجہ میں ان کا وجود بھی ہے۔ یہی چیز علم کی حد سے گزر کر مستقل کیفیت بن جائے تو اس کو فنا کہتے ہیں اور یہی وحدۃ الشہود کا حاصل ہے۔ ان میں سے کوئی چیز قرآن وحدیث کے خلاف نہیں۔ یہ مسئلہ ایک زمانے میں خلق قرآن کی طرح معرکۃ الآراء رہ چکا ہے، فی زمانا

بعض نارمزشناس اس صاف شفاف عقیدے کو غلط معنی پہنا کر عوام الناس کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

کچھ ایسے ہی حضرات کو اس عقیدے کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے عزیزم مولوی ندیم احمد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اکابرین کے ارشادات کو یکجا کر دیا ہے۔ بہ طور خاص حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہ کا متن متین اور پر مغز کلام اور مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی علیہ الرحمہ کے مضمون کے چیدہ چیدہ اقتباسات اس حقیقت کو سمجھنے میں بہت اہم ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اس رسالہ کو نافع بنائے اور موصوف کی اس محنت کو قبول فرمائے۔ آمین

العبد احمد خانپوری عفی عنہ

”فاضل مرتب نے یہ کتابچہ لکھ کر ایک اہم کام انجام دیا ہے“

جناب ڈاکٹر خورشید صاحب نعمانی زید مدظلہ

ایڈجنٹ پروفیسر شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیرِ نظر کتابچہ ”وحدت الوجود کی حقیقت“ اصالۃً حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے افادات کا مجموعہ ہے۔ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے معنی و مطالب میں بعض حلقوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، جس سے امت مسلمہ میں بعض اوقات گمراہی کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مرتب نے مسئلہ ہذا کی نزاکت کی توضیح ضروری سمجھی اور اس ضمن میں بعض اضافے بھی شامل کر کے، اسے عام فہم بنانے کی سعی مشکور کی ہے۔

فاضل مرتب نے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت انتہائی اختصار سے انھیں سمجھانے کی کوشش کی ہے: (۱) وحدۃ الوجود معنی و مطالب (۲) تحقیق کے درجات (۳) توحید کیا ہے؟ (۴) اللہ تعالیٰ کی حقیقت (۵) امام نسفیؒ کی رائے (۶) امام غزالی کی رائے (۷) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فرمودات (۸) وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود (۹) ضروری وصیت۔

ابتدائی سات عنوانات تک مرتب نے انتہائی اختصار سے مدلل بحث کی ہے اور وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود بحث کرتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس کائنات میں حقیقی اور مکمل وجود صرف وصرف باری تعالیٰ کا ہے اور اس کے سوا ہر وجود بے ثبات، فانی اور نامکمل ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حقیقت شناس نگاہ دی ہے، وہ جب اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود کی معرفت حاصل کرتا ہے، تو تمام وجود اسے ہیچ، مانند بلکہ کالعدم نظر آتے ہیں۔ انہوں نے حضرت مجذوبؒ کا یہ شعر اس کی وضاحت میں پیش کیا ہے:

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

حضرت مجذوبؒ سالکِ راہ حقیقت تھے۔ مجھے اس ضمن میں ان کا ایک دوسرا شعر یاد آتا ہے جو ان کی حالت کی بہتر ترجمانی کرتا ہے:

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

مرتب نے فیروز اللغات کا ایک اقتباس پیش کیا ہے کہ ”صوفیوں کی اصطلاح“ میں تمام موجودات کو خدا تعالیٰ کا ایک وجود ماننا اور ماسوا کے وجود کو محض اعتباری سمجھنا وحدۃ الوجود تصور کیا جاتا ہے۔“

تصوف کی اصطلاح میں وسط سلوک کی راہ میں سالک پر جو حالت گزرتی ہے، وہ وحدۃ الشہود کی ہے اور انتہائے سلوک کی حالت وحدۃ الوجود کی ہے۔

حضرت رومی ”سیر دالبرا“ میں بالکل صحیح فرماتے ہیں:

”جمہور صوفیہ کا توحید وجودی پر اتفاق ہے، اظہار حقیقت کے لیے البتہ مختلف پیرایوں اور مختلف اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے، مگر حقیقتاً سب آپس میں متفق

ہیں، عوام اور اغیار کو کچھ اختلافات نظر آتے ہیں، وہ سطحی اور لفظی ہیں، نہ کہ معنوی۔" (1)

مرتب کتابچہ بھی ان دونوں پر بحث کرتے ہوئے اسی نتیجے پر پہنچے ہیں:

"حقیقت میں اختلاف لفظی ہے، مآل کار انجام دونوں کا ایک ہے۔"

اس پر آشوب دور میں عام مسلمانوں میں مذہب سے لاعلمی اور بیزاری کے سبب ضرورت اس بات کی ہے کہ ضخیم تصانیف کے بجائے مختصر مختصر کتابچوں اور رسالوں سے مسلمانوں کے عمومی مسائل پر بحث کی جائے اور باقاعدہ طور پر ان کی نشر واشاعت کا اہتمام کیا جائے۔

فاضل مرتب نے یہ کتابچہ لکھ کر ایک اہم کام انجام دیا ہے، اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ اسے تمام مسلمانوں کے لیے نافع بنائے۔ آمین

خورشید نعمانی عفی عنہ

نوٹ: حضرت موصوف کی اس تحریر کے بعد رسالہ میں مولانا علی میاںؒ کی کتاب سے اضافے کیے گیے۔ اھ

---

(1) ص: ۳۳۴

عرضِ مؤلف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

اسلام ایک کامل نظامِ حیات ہے اور یہی دنیا و آخرت میں ابدی فلاح و بہبود کا ضامن بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس قیمتی سرمایہ کو لوٹنے والے رہزنوں کی دنیا میں کمی نہیں۔ آج ہم نے اپنے افعال و اقوال سے جو ’’گل کاریاں‘‘ کی ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ اغیار تو ہم سے دور تھے ہی، اپنے بھی متنفر نظر آتے ہیں اور اس کا فائدہ بھی دشمنوں نے بھرپور اٹھایا ہے۔ آج چہار جانب نت نئے مسائل کی بوچھار ہے، جن کے ذریعہ امت میں افتراق اور کشیدگی پیدا ہو اور وہ اپنے دین میں متحد نہ ہوسکیں۔ و الی اللّٰہ المشتکی

یہ رسالہ ’’وحدۃ الوجود کی حقیقت‘‘ یوں سمجھیے کہ -- حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت مولانا ابوالحسن علی الندوی رحمہ اللہ تعالیٰ -- کے افادات کا مجموعہ ہے، جس میں مسئلہ کی وضاحت اور موقع کی مناسبت سے مؤلف نے کافی اضافے بھی کیے ہیں۔ اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ہمارے گرد و پیش میں ایک طبقہ کی جانب سے بارہا اس مسئلہ کو ہوا دے کر عوامِ امت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی اور مؤلف سے بعض احباب نے اصرار کیا کہ مسئلۂ ہذا کی توضیح کی جانی چاہیے۔ یہ رسالہ اسی حکم کی تعمیل ہے۔

اللہ سبحانہ و تقدس اس مختصر سی خدمت کو قبول فرمائے اور امت کی اصلاح کا ذریعہ بنائے، مؤلف کے لیے دنیا و آخرت میں سرخ روئی کا سبب فرمائے، مزید دینی خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سید الانبیاء و المرسلین

۶ ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ　　　العبد ندیم احمد انصاری غفرلہٗ ولوالدیہ

خادم الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا و مدرسہ نور محمدی، ممبئی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عقیدہ "وحدۃ الوجود" کا تاریخی پس منظر

اصل مسئلہ کو ذکر کرنے سے پہلے ہم اس کا پس منظر بھی اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں مناسب لگا کہ خود کچھ عرض کرنے کے بجائے مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الندوی علیہ الرحمہ -- جن کی نظر تاریخ عالم پر نہایت گہری ہے -- کے چند اقتباسات پیش کر دیے جائیں۔ ملاحظہ ہو:

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی تفصیل وتدوین

متقدمین صوفیاء کی زبان سے جو مغلوب الاحوال ہوتے تھے "اتحاد نما" اقوال جو وحدۃ الوجود پر دلالت کرتے ہیں، صادر ہوئے ہیں، ان میں مشہور شیخ و عارف حضرت بایزید بسطامیؒ کا (جو اکثر سلاسل طریقت کے مشائخ کبار میں ہیں) قول "سبحانی ما اعظم شانی" اور "لیس فی جبتی الا اللہ" اور حسین بن منصور حلاج کا نعرۂ انا الحق خاص طور پر مشہور ہے۔ لیکن شیخ محی الدین بن عربی (م ۶۳۸ھ) جو شیخ اکبر کے نام سے شہرۂ آفاق ہیں، اس ذوق اور مسلک کے مجدد و خاتم اور علمی طور پر بانی و موسس ہیں، اور انھیں کے زمانے سے اس کی شہرت و مقبولیت اس درجہ کو پہونچی کہ وہ اہل تصوف میں موسمی اثر کی طرح سرایت کر گئی، جس سے قوی مزاج بھی کلی طور پر محفوظ نہیں رہتا، یہاں تک کہ وہ اہل ذوق و تحقیق کا شعار اور ان کا "کلمہ

جامعہ“ بن گیا اور اس کا انکار کرنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا یا بزم تصوف میں نا محرم وطفیلی ہونے کا اعلان کرنا تھا، بقول حضرت مجدد:

انھوں نے اس کے اس طرح ابواب وفصول مقرر کیے جس طرح علم نحو وصرف میں دستور ہے۔ (1)

اس مسئلہ کا اثر شیخ اکبرؒ کے زمانہ کے بعد اتنا ہمہ گیر بلکہ عالمگیر تھا کہ کہا جا سکتا ہے کہ صوفیاء، فلاسفہ اور شعراء میں نوے فیصد اس مسئلہ کے قائل یا اس سے مرعوب ہو کر اس کے ہمنوا بن گئے۔ شیخ سے اختلاف کرنے والے زیادہ تر محدثین، فقہاء اور وہ علماء ہیں جن کو علمائے ظاہر کہا جاتا ہے ان میں؛ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ سخاویؒ، ابو حیان مفسرؒ، شیخ الاسلام عز الدین ابن عبد السلامؒ، حافظ ابو زرعہؒ، شیخ الاسلام سراج الدین البلقینیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ سعد الدین تفتازانیؒ، جیسے نامور علماء اور ائمہ فن تھے۔ یہ حضرات اگرچہ اپنے علم وفضل، کتاب وسنت پر وسیع اور گہری نظر اور علوم دینیہ میں تبحر کے لحاظ سے بہت فائق تھے، لیکن ایک دو کو مستثنیٰ کر کے اہل تصوف وحقائق کو ان میں سے کسی کا، حقائق وعلوم باطنی کا رمز آشنا ہونا تسلیم نہیں، اس لیے ان کی مخالفت کو ”الناس اعداء ماجھلوا“ (لوگ جس کو جانتے نہیں، اس کے دشمن ہو جاتے ہیں) کے عام اصول پر محمول کیا گیا ہے۔ (2)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور عقیدۂ وحدۃ الوجود کی مخالفت وتنقید

مسئلہ وحدۃ الوجود کی مخالفت کے سب سے بڑے علم بردار اور اس پر کتاب

(1) مکتوب: ۳/ ۸۹، بنام قاضی اسماعیل فرید آبادی، تاریخ دعوت وعزیمت: ۳/ ۲۷۳-۲۷۴

(2) تاریخ دعوت وعزیمت: ۳/ ۲۷۶-۲۷۷

وسنت کی بنیاد پر اور ان اثرات ونتائج کی روشنی میں جو قریبی عرصہ میں اس مسئلہ و تحقیق کے اختیار کرنے کی وجہ سے تصوف کے حلقہ میں اور عوام میں ظاہر ہونے شروع ہو گیے تھے، تنقید وتبصرہ اور اس کا تحلیل وتجزیہ کرنے میں شیخ الاسلام تقی الدین حافظ ابن تیمیہؒ (۶۶۱-۷۲۸ھ) کا نام سب سے زیادہ روشن ہے، وہ شیخ اکبرؒ کی وفات (۶۳۸ھ) سے تیئس سال بعد پیدا ہوئے۔

شیخ اکبرؒ کی وفات جس شہر (دمشق) میں ہوئی اور جس کو ان کی آخری آرام گاہ اور مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا، وہیں امام ابن تیمیہؒ نے ہوش سنبھالا، تعلیم وتربیت حاصل کی، اور یگانہ علمی وذہنی کمالات کو پہونچے۔ ان کا شعور جب بالغ ہوا اور وہ جب ماحول پر ناقدانہ نظر ڈالنے کے قابل ہوئے، تو شیخ اکبرؒ کی وفات کو ۴۰-۴۵ سال سے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔ مصر وشام کی فضا ان کی علمی نادر تحقیقات کے شور سے گونج رہی تھی، اور علم ومعرفت کے خم خانے ان کے ذوق توحید سے مخمور تھے۔

مصر میں شیخ ابوالفتح نصر المنجبیؒ، شیخ اکبرؒ کے غالی معتقدین میں تھے اور سلطنت کا مدار المہام اور سیاہ وسفید کا مالک رکن الدین بیبرس الجاشنگیر، شیخ نصر المنجبی کا معتقد ومرید تھا۔

شام میں اور اسی طرح بیشتر عرب ممالک میں شیخ کی کتابیں خصوصاً ''فتوحات مکیۃ'' اور ''فصوص الحکم'' عام طور پر متداول تھیں۔ لوگ ان کو پڑھ پڑھ کر سر دُھنتے تھے۔ خود امام ابن تیمیہؒ نے اعتراف کیا ہے کہ ''فتوحات مکیۃ''، ''کنہ المحکم المربوط''، ''الدرۃ الفاخرۃ''، ''مطالع النجوم'' وغیرہ میں بڑے اچھے علمی فوائد ونکات ملتے ہیں، شیخ اکبرؒ کے مسلک کے حاملین میں ابن سبعینؒ، صدر الدین قونویؒ، (جو شیخ اکبرؒ کے براہ راست شاگرد تھے) بلیانی اور تلمسانی خاص طور پر شہرۂ آفاق تھے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس پوری جماعت میں شیخ اکبرؒ کو ان سب پر ترجیح دی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ انھوں نے انصاف وتحقیق کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے اور اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ پر عمل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

ابن عربی ان لوگوں میں اسلام سے قریب تر ہیں، اور ان کا کلام بہت سے مقامات پر نسبتاً بہتر ہے، اس لیے کہ وہ مظاہر اور ظاہر کرنے میں فرق کرتے ہیں، امر ونہی اور شرائع واحکام کو اپنی جگہ رکھتے ہیں، مشائخ نے جن اخلاق وعبادات کی تاکید کی ہے، ان کے اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، اس لیے بہت سے عابد وصوفی ان کے کلام سے سلوک کو اخذ کرتے ہیں، اگرچہ وہ ان کے حقائق کو اچھی طرح نہیں سمجھتے، ان میں جو ان حقائق کو سمجھ لیتے ہیں، اور ان کی موافقت کرتے ہیں، ان پر ان کے کلام کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔(1)

عقیدہ وحدۃ الوجود کے غالی مبلغ وداعی اور ان کے اثرات ونتائج

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تحقیق کے خاص مزاج ومذاق، اس کی عمومی تبلیغ واشاعت اور اس کی تعلیم وتلقین میں زیادہ جوش سے کام لینے اور احتیاط ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے خود شام میں جو علوم دینیہ کا بڑا مرکز اور مصر کی مسلم ترکی النسل حکومت کا ایک اہم صوبہ تھا، ایک طرح کا ذہنی واخلاقی انتشار پیدا ہونے لگا تھا، لوگ شریعت، عقل اور اخلاق کے حدود پھلانگنے لگے تھے اور ایک بحرانی کیفیت اسلامی معاشرہ میں رونما تھی۔

ایک حکیم کے قول کے مطابق ”درخت اپنی جڑ سے نہیں اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے“ عقیدۂ وحدۃ الوجود کا درخت جس طرح کے برگ وبار لانے لگا تھا، وہ ایک

---

(1) مکتوب شیخ الاسلام بنام شیخ نصر المنجبی مندرجہ ”جلاء العینین:۵۷“ تاریخ دعوت وعزیمت:۲/۲۷۷-۲۷۸

حامی شریعت اور غیور عالم وداعی کے لیے باعث تشویش اور موجبِ نقد تھے۔(1)

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ (اس مسئلہ کے غالی مبلغین کے تمام) بیباکانہ اقوال اور اباحیت وفوضویت (اخلاقی انارکی) کی ذمہ داری شیخ اکبرؒ جیسے عارف ومحقق پر یا ان کی کتابوں پر عائد ہوتی ہے، جو غایت درجہ متبع سنت، عابد وزاہد، مرتاض ومجاہد اور نفس سے شدید محاسبہ کرنے والے، مکاید شیطان اور غوائل نفس سے بدرجۂ تمام واقف تھے، لیکن ان کے یہاں اس طرح کے غریب اور موحش اقوال ملتے ہیں، جن سے رائی کا پربت بنالینے والوں کو مسالہ ہاتھ آتا ہے۔(2)

عقیدۂ وحدۃ الوجود ہندوستان میں

آٹھویں صدی میں جب یہ عقیدہ ہندوستان آیا تو اس وجہ سے کہ ہندوستان خود اس مسلک وذوق کا قدیم ترین اور پر جوش ترین قائل وداعی رہ چکا تھا اور بعض مورخینِ تصوف کے قول کے مطابق متصوفینِ اسلام نے جو ایران، عراق اور مغرب میں پیدا ہوئے؛ توحیدِ وجودی کا سبق ہندوستان ہی سے لیا تھا۔ اسلام کی آمد کے بعد بھی بلا کسی انقطاع کے یہ ملک اس مسلک وعقیدہ کا علمبرار ''ہمہ اوست'' کا قائل ہے اور آرین نسلوں کے مزاج اور یہاں کے مذاہب اور فلسفوں کی (جو سامی اقوام اور انبیاء کے مرز بوم میں پیدا ہونے والے مذاہب کے برخلاف تعینات وقیود سے گریزاں اور وحدتِ وجود اور وحدتِ ادیان کے ہزاروں برس سے قائل ہیں) اطلاق پسندی کی وجہ سے اس مشرب نے اور گہرا اور شوخ رنگ اختیار کرلیا اور یہاں آکر اس فلسفہ کے مزاج نے مقامی مزاج سے ہم آہنگ وہم آغوش ہوکر ایک نیا جوش اور ایک نیا مکتبِ خیال پیدا کرلیا۔

---

(1) تاریخِ دعوت وعزیمت: ۲۷۹/۳ (2) تاریخ دعوت وعزیمت: ۲۸۰-۳/۲۸۱

یہاں کے مشائخ میں ایک بڑی تعداد اس مشرب کے حامی وحامل اور مبلغ وداعی کی نظر آتی ہے، ان میں خاص طور پر-- سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے نامی وگرامی شیخ شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۴۴ھ) شیخ عبدالرزاق جھنجھانویؒ (م ۹۴۹ھ) شیخ عبدالعزیز دہلویؒ معروف بہ شکر بار (م ۹۷۵ھ) شیخ محمد ابن فضل اللہ برہان پوریؒ (م ۱۰۲۹ھ) اور شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ (م ۱۰۵۸ھ)-- میں سے ہر ایک اپنے عہد وعصر کا ابن عربی اور اپنے شہر ومصر کا ابن فارض تھا۔ ان میں سے اکثر حضرات حضرت مجددؒ سے کچھ پیشتر یا ان کے زمانہ سے قریب یا متصلاً مسند آرائے تحقیق وارشاد ہوئے۔(1)

وحدۃ الشہود

ہمارے علم ومطالعہ میں دو نامور شخصیتیں ایسی گذری ہیں جن کے یہاں وحدۃ الوجود کے متوازی وحدۃ الشہود کا ذکر اور اس کی طرف اشارات ملتے ہیں، ان دونوں میں اختلاف ذوق بلکہ متباین راستوں کے باوجود صرف ایک (حسن نیت، سلامت ذوق اور اخلاص) کی وحدت ہے، جس پر ہدایت کے ابواب کے مفتوح ہونے کا وعدۂ قرآنی وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا کے الفاظ موجود ہیں۔

ایک شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ جو اصلاً محدث، متکلم اور فقیہ تھے، دوسرے مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ جو اصلاً عارف ومحقق اور امام تصوف وحقیقت تھے۔ اول الذکر کی کتاب 'العبودیۃ' سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وحدۃ الشہود کے کوچہ سے آشنا ہیں اور اس حقیقت سے واقف ہیں کہ سالکین کو اثنائے سلوک میں یہ مقام پیش آتا ہے، اور وہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کاملین صحابۂ کرام علیہم الرضوان وغیرہم کی معرفت سے فروتر لیکن وحدۃ الوجود کے مقام سے بہتر وبلند تر ہیں،

(1) تاریخ دعوت وعزیمت: ۲۸۳/۳

لیکن چونکہ یہ ان کا اصل میدان نہیں اس لیے وہ صرف اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔لیکن مخدوم بہاری (م ۷۸۲ھ) نے اپنے مکتوبات میں بڑی خوبی کے ساتھ اس مسئلہ کو پیش کیا ہے، وہ اپنے ذاتی تجربہ اور اس مقام کی تحقیق کی روشنی میں جو ان کو حاصل تھا کہتے ہیں:

عام طور پر جس کو وحدۃ الوجود اور غیر حق کا عدمِ محض اور فناء کامل سمجھا جاتا ہے، وہ دراصل وجود حقیقی کے سامنے دوسرے موجودات کا اس طرح ماند پڑ جانا اور مغلوب ہوجانا ہے، جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے ستاروں کی روشنی ماند اور ذرات کا وجود بے حقیقت ہوجاتا ہے۔

وہ دو لفظوں میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

نابودن دیگر و نادیدن دیگر۔

کسی چیز کا معدوم و نابود ہوجانا اور چیز ہے، اور نظر نہ آنا اور چیز۔

نیز فرماتے ہیں:

یہ ایک ایسا نازک مقام ہے، جہاں اچھے اچھوں کے قدم لڑکھڑا گیے، اور توفیقِ الٰہی اور خضر کامل کے بغیر جادۂ حقیقت پر قائم رہنا مشکل ہے۔(1)

ایک نئی تجدیدی شخصیت کی ضرورت

لیکن اس مسئلہ کی تنقیح، اس سلسلہ میں اتمام حجت کے لیے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی، جو سیر و سلوک کی ان خاردار وادیوں اور ان اعلیٰ منازل سے گذر چکا ہو، دریائے حقیقت کا غواص ہو اور جو ان عملی تجربات کے امواج اور طوفانی سمندر سے گذر کر ساحلِ حقیقت پر پہنچا ہو، وہ عدمِ علم کو عدمِ شئی کی دلیل نہ بنائے، بلکہ ایک عینی

(1) ملاحظہ ہو مکتوب اول مکتوبات سہ صدی اور اس کا اقتباس مندرجہ تاریخ دعوت و عزیمت: ۳/۲۸۲-۲۸۶

مشاہد اور ایک بلند ہمت و بلند نظر مسافر کی طرح پوری خود اعتمادی کے ساتھ علی وجہ البصیرۃ یہ کہے کہ جہاں تک توحید وجودی کا تعلق ہے:

ہوں اس کوچہ کے ہر ذرہ سے آگاہ
ادھر سے مدتوں آیا گیا ہوں
لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہے:
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

وحدۃ الوجود کے سلسلہ میں اس وقت تک اثبات ونفی کرنے والوں کے تین مسلک رہے ہیں:

۱-وحدۃ الوجود کا مکمل اثبات اور یہ کہ وہ ایک بدیہی حقیقت ہے، اور تحقیق ومعرفت کی آخری منزل ہے۔

۲-وحدۃ الوجود کا مکمل انکار اور یہ کہ وہ وہم وخیال، قوت متخیلہ کی کارفرمائی اور باطنی مشاہدہ کے سوا کچھ نہیں۔

۳-وحدۃ الوجود کے متوازی وحدۃ الشہود کا نظریہ اور یہ کہ حقیقت میں سالک کو جو کچھ نظر آتا ہے اور جو حقیقت نفس الامری ہے، وہ یہ نہیں کہ وجود واحد ہے، اور واجب الوجود کے سوا ہر وجود حقیقتاً منتفی ومعدوم ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ موجودات اپنی جگہ پر موجود اور قائم ہیں، لیکن واجب الوجود کے وجود حقیقی کے نور نے ان پر ایسا پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ معدوم نظر آتے ہیں اور جس طرح ستارے آفتاب کے طلوع کے بعد اس کے نور کے سامنے اس طرح ماند پڑ جاتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ ستارے نہیں ہیں تو وہ کاذب نہیں ہوگا، اسی طرح موجودات، اس وجود کامل وحقیقی کے سامنے ایسے بے حقیقت نظر آتے ہیں کہ گویا ان کا سرے سے وجود ہی نہیں۔(1)

---

(1)تاریخ دعوت وعزیمت: ۲۸۶-۲۸۷

مجدد صاحبؒ کا اضافہ اور تجدیدی کارنامہ

مجدد صاحبؒ نے ان تین مسلکوں کے مقابلہ میں ایک چوتھا مسلک اختیار کیا، وہ یہ کہ:

وحدۃ الوجود سالک کے سیر وسلوک کی ایک منزل ہے، اس کو عیاناً ومشاہدۃً نظر آتا ہے کہ وجود حقیقی وکامل کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہیں، جو کچھ ہے، وہ سب ایک ہی وجود ہے، باقی سب اس کی ''تلوینات وتنوعات'' ہیں، یا شیخ اکبرؒ اور اس مشرب وجودی کے عارفین کے بقول ''تنزلات'' ہیں، لیکن اگر توفیق الٰہی شاملِ حال اور شریعت کا چراغ رہنما ہوتا ہے اور سالک کی ہمت بلند ہوتی ہے، تو دوسری منزل بھی سامنے آتی ہے اور وہ وحدۃ الشہود کی منزل ہے۔

اس طرح حضرت مجددؒ وحدۃ الوجود (جو صدیوں تک عالی استعداد سالکین وعارفین اور دقیقہ رس حکماء اور غواصین کا مسلک رہا ہے) کی نفی اور اس کے سب سے بڑے علمبردار وشارح شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (جن کے علوم ومعارف، نکات واسرار اور کمالاتِ روحانی کا انکار مکابرہ ہے) کے علو مقام، مقبولیت عند اللہ اور اخلاص کا انکار کیے بغیر بلکہ بلند الفاظ میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے ایک اضافہ فرماتے ہیں اور ایک نئی یافت ودریافت کا اعلان کرتے ہیں، جو ایک طرف عقیدۂ جمہور مسلمین، کتاب وسنت اور شریعتِ حقہ کے مطابق ہے، دوسری طرف وہ پیچھے کی طرف لے جانے اور ایک بڑے گروہ کے علوم وتحقیقات پر خطِ نسخ پھیرنے کے بجائے ایک ایسی چیز کا اضافہ کرتا ہے، جس سے نصوص شرعیہ، اصولِ قطعیہ اور سیرِ انفس وآفاق کے آخری مکشوفات وتحقیقات میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔(1)

اب اس کے آگے چند ضروری معروضات مؤلف کی جانب سے ملاحظہ فرمائیں:

---

(1) تاریخ دعوت وعزیمت: ۳/۲۸۷-۲۸۸

وحدۃ الوجود---معنی ومطلب!

فیروز اللغات میں لکھا ہے:

صوفیوں کی اصطلاح میں تمام موجودات کو خدا تعالیٰ کا ایک وجود ماننا اور ما سوا کے وجود کو محض اعتباری سمجھنا ''وحدۃ الوجود'' تصور کیا جاتا ہے۔(1)

یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ خدا کے بارے میں بغیر نص کے، محض اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانا جائز نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (2)

اور اے بندے! جس چیز کا تجھے علم نہیں، اس کے پیچھے نہ پڑ۔ (ترجمہ جالندھری)

وحدۃ الوجود کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں حقیقی اور مکمل وجود صرف ذاتِ باری تعالیٰ کا ہے، اس کے سوا ہر وجود بے ثبات، فانی اور نامکمل ہے۔ ایک تو اس لیے کہ وہ ایک نہ ایک دن فنا ہو جائے گا، دوسرے اس لیے کہ ہر شئی اپنے وجود میں ذاتِ باری تعالیٰ کی محتاج ہے، لہٰذا جتنی اشیاء ہمیں اس کائنات میں نظر آتی ہیں، انھیں اگرچہ وجود حاصل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے وجود کے سامنے اس وجود کی کوئی حقیقت نہیں، اس لیے وہ کالعدم ہے۔

اس کی نظیر یوں سمجھیے، جیسے دن کے وقت آسمان پر سورج کے موجود ہونے کی وجہ سے ستارے نظر نہیں آتے---وہ اگرچہ موجود ہیں، لیکن سورج کا وجود ان پر اس طرح غالب ہو جاتا ہے کہ ان کا وجود نظر نہیں آتا---اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حقیقت شناس نگاہ دی ہو، وہ جب اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود کی معرفت

(1) ص: ۱۴۰۷، فرید بکڈپو، دہلی (2) سورہ بنی اسرائیل: ۳۶

حاصل کرتا ہے تو تمام وجود اسے ہیچ، ماند، بلکہ کالعدم نظر آتے ہیں۔ بقول حضرت مجذوبؒ:

عجب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

وحدۃ الوجود کا یہ مطلب صاف، واضح اور درست ہے، اس سے آگے اس کی جو فلسفیانہ تعبیرات کی گئی ہیں، وہ بڑی خطرناک ہیں اور اگر اس میں غلو ہو جائے تو اس عقیدے کی سرحدیں کفر تک جا ملتی ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو بس سیدھا سادا یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ کائنات میں حقیقی اور مکمل وجود اللہ تعالیٰ کا ہے، باقی ہر وجود نامکمل اور فانی ہے۔(1)

اہلِ سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ عوام ان مباحث میں وقت ضائع نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کو کمیت و کیفیت، جہت و مکان سے پاک سمجھے۔(2)

تحقیق کے درجات مختلف ہیں

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ تحقیق کے درجات مختلف ہوتے ہیں، ایک ایسی تحقیق کہ یقینِ کامل کے درجہ کو پہنچ جائے، مخالف جانب کا کوئی شبہ بھی نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ گمانِ غالب کے درجہ میں آجائے، اگرچہ جانبِ مخالف کا احتمال بھی موجود ہو۔ اسی طرح احکام میں بھی دو قسمیں ہیں: ایک قطعیات اور یقینیات ہیں، جیسے عقائد اور اصولِ دین۔ ان میں پہلے درجہ کی تحقیق مطلوب ہے، اس کے بغیر عمل کرنا جائز نہیں۔ دوسرے ظنیات، جیسے فروعی اعمال سے متعلق احکام۔

---

(1) فتاویٰ عثمانی: ۱/۷۱-۷۲، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند

(2) شرح فقہ الاکبر: ۳۲-۳۳، دار النفائس، دمشق و آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱/۴۵، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند

اس تفصیل کے بعد آیت وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ الخ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یقینی اور قطعی احکام میں تحقیق بھی اول درجہ کی ہو، یعنی قطعیت اور یقینِ کامل کے درجہ کو پہنچ جائے اور جب تک ایسا نہ ہو عقائد اور اصولِ اسلام میں اس تحقیق کا اعتبار نہیں۔ اور اس کے مقتضیٰ پر عمل جائز نہیں اور ظنی و فروعی امور میں دوسرے درجہ یعنی ظنِ غالب کے درجہ کی تحقیق کافی ہے۔(1)

توحید کیا ہے؟

جاننا چاہیے کہ توحید، لغت میں کسی چیز کو ایک جاننے کا نام ہے، اور علماء کے نزدیک حق تعالیٰ کی وحدانیت ظاہر کرنے کو 'توحید' کہتے ہیں، اور صوفیاء کے نزدیک وحدانیتِ حق کو مشاہدہ کرنے کا نام 'توحید' ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے کہا:

حق تعالیٰ کی صفت بیان کیجیے!

تو انہوں نے فرمایا:

هُوَ بِلَاهُوَ، لَاهُوَ، اِلَّاهُو.

وہ ہے بغیر اس کے (کہ اشارہ کو بھی دخل نہیں) اور نہیں ہے وہ، مگر وہی۔(2)

اللہ تعالیٰ کے متعلق عقیدہ

حق تعالیٰ تمام نقائص اور عیوب اور حدوث اور امکان کے شوائب اور نشانوں سے منزہ اور مبرا ہے۔ نہ جسم اور جسمانی ہے اور نہ مکانی و زمانی۔ اس کی ذات جواہر و اجسام و اعراض کی صفات اور لوازم سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کی بارگاہ میں مکان و زمان اور جہت کی گنجائش نہیں، یہ سب اس کی مخلوق ہیں۔

(1) معارف القرآن: ۵/۴۸۲، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند (2) امداد السلوک: ۱۶۵

حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہوتی ہے اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے، اور نہ وہ کسی شئ میں حلول کرتا ہے۔(1)

حق سبحانہ کی حقیقت وجودِ محض ہے کہ اور کوئی امر اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہے اور وہ وجود تعالیٰ ہر چیز و کمال کا منشا اور ہر حسن و جمال کا مبدأ ہے اور جزئی حقیقی اور بسیط ہے، جس کی طرف ترکیب کو گزرِ راہ نہیں ہے۔ نہ ذہنی طور پر نہ خارجی طور پر اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا تصور میں آنا محال ہے۔(2)

علامہ نسفیؒ کا فرمان

علامہ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والمحدث للعالم هو الله تعالى، الواحد، القديم، الحی، القادر، العليم، السميع، البصير، الشائی المريد، ليس بعرض، ولا جسم، ولا جوهر، ولا مصور، ولا محدود، ولا معدود، ولا متبعض، ولا متجز، ولا متركب، ولا متناه، ولا يوصف بالماهية، ولا بالكيفية ولا يتمكن فی مكان، ولا يجری عليه زمان، ولا يشبهه شیء، ولا يخرج عن علمه وقدرته شیء. وله صفات أزلية قائمة بذاته، وهی لا هو، ولا غيره. (3)

عالم کو وجود عطا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، جو کہ واحد ہے، قدیم ہے، ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، قدرت والا ہے، جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، چاہنے والا ہے، ارادہ کرنے والا ہے، نہ وہ عرض ہے نہ جسم، نہ جوہر ہے اور نہ اس کی کوئی شکل وصورت ہے، نہ محدود ہے اور نہ معدود (جس کو شمار کیا جاسکے) نہ حصوں کی شکل میں ہے، نہ جزء کی صورت میں، نہ مرکب ہے نہ متناہی، نہ اسے ماہیت کے

---

(1) عقائد الاسلام: ۱/۳۱، فرید بکڈپو، دھلی

(2) مکتوبات امام ربانی، حصہ چہارم، دفتر اول: ۱/۴۸

(3) العقیدۃ النفسیۃ: ۱-۳۱-۴۵، مکتبہ بلال، دیوبند

ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے، نہ کیفیت کے ساتھ، نہ وہ کسی مکان میں متمکن ہے، نہ ہی کوئی زمانہ اس پر جاری ہے--کوئی چیز بھی اس سے مشابہت نہیں رکھتی اور کوئی چیز بھی اس کی قدرت اور اس کے علم سے خارج نہیں۔

اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں، جو اس کی ذات سے قایم ہیں اور یہ صفات نہ ہی وہ (ذاتِ حق) ہے، نہ ہی اس کا غیر ہیں۔

علامہ غزالیؒ کا فرمان

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الذات: المعرف إیاھم أنه فی ذاته واحد لا شریک له، فرد لا مثیل له، صمد لا ضد له، منفرد لا ند له، وأنه واحد قدیم لا أول له، أزلی لا بدایة له، مستمر الوجود لا آخر له، أبدی لا نھایة له، قیوم لا انقطاع له دائم لا انصرام له، لم یزل ولا یزال موصوفاً بنعوت الجلال لا یقضی علیه بالانقضاء والانفصال بتصرم الآباد وانقراض الآجال بل ﴿ھو الأول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیء علیم﴾

التنزیه: وأنه لیس بجسم مصور ولا جوھر محدود مقدر، وأنه لا یماثل والأجسام لا فی التقدیر ولا فی قبول الانقسام، وأنه لیس بجوھر ولا تحله الجواھر، ولا بعرض ولا تحله الأعراض، بل لا یماثل موجودا ولا یماثله موجود، ﴿لیس کمثله شیء﴾ ولا ھو مثل شیء، وأنه لا یحده المقدار ولا تحویه الأقطار، ولا تحیط به الجھات، ولا تکتنفه الأرضون والسماوات، وأنه مستو علی العرش، علی الوجه الذی قاله وبالمعنی الذی أراده، اسراء منزھاً عن المماسة والاستقرار والتمکن والحلول والانتقال، لا یحمله العرش بل العرش وحملته محمولون بلطف قدرته

ومقهورون في قبضته، وهو فوق العرش والسماء وفوق كل شيء إلى تخوم الثرىٰ، فوقية لا تزيده قرباً إلى العرش والسماء، كما لا تزيده بعدا عن الأرض والثرى، بل هو رفيع الدرجات عن العرش والسماء، كما أنه رفيع الدرجات عن الأرض والثرى، وهو مع ذلك قريب من كل موجود وهو أقرب إلى العبد من حبل الوريد، ا﴿وهو على كل شيء شهيد﴾ إذ لا يماثل قربه قرب الأجسام كما لا تماثل ذاته ذات الأجسام، وأنه لا يحل في شيء ولا يحل فيه شيء، تعالى عن أن يحويه مكان كما تقدس عن أن يحده زمان، بل كان قبل أن خلق الزمان والمكان وهو الآن على ما عليه كان، وأنه بائن عن خلقه بصفاته ليس في ذاته سواه ولا في سواه ذاته، وأنه مقدس عن التغيير والانتقال، لا تحله الحوادث ولا تعتريه العوارض، بل لا يزال في نعوت جلاله منزها عن الزوال وفي صفات كماله مستغنياً عن زيادة الاستكمال، وأنه في ذاته معلوم الوجود بالعقول، مرئي الذات بالأبصار نعمة منه ولطفاً بالأبرار في دار القرار، وإتماماً منه للنعيم بالنظر إلى وجهه الكريم.(1)

بے شک اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، یکتا ہے، جس کی کوئی مثل نہیں، بے نیاز ہے، جس کی ضد نہیں، منفرد ہے، جس کی مانند کوئی نہیں، وہ ایسا واحد اور قدیم ہے، جس سے اوّل کوئی نہیں، وہ ازل سے ہے، جس کی کوئی ابتداء نہیں، اس کا وجود ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، جس کا کوئی آخر نہیں، وہ ابدی ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں، وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، جس کا کوئی انقطاع نہیں، وہ جلالت کی صفت سے متصف ہے، مدتوں کے خاتمہ اور زمانوں کی ہلاکت کے باعث، اس فنائیت اور انجام کے سبب اس کے خلاف فیصلہ نہیں ہوسکتا، بلکہ وہی اول ہے، وہی

(1) قواعد العقائد للغزالی: ۱-۲

آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

بے شک! وہ جسم سے پاک ہے، اس کی تصویر کشی نہیں کی جا سکتی، نہ وہ محدود جوہر ہے جس کا اندازہ کیا جا سکے۔ وہ اجسام سے مماثلت نہیں رکھتا، نہ مقدار میں اور نہ قبولِ تقسیم میں۔ وہ جوہر نہیں ہے اور نہ ہی جواہر اس میں حلول کر سکتے ہیں۔ وہ عرض نہیں ہے اور نہ ہی اعراض اس میں حلول کر سکتے ہیں، یعنی وہ جوہر و عرض سے پاک ہے، بلکہ وہ کسی موجود کے مماثل نہیں اور نہ ہی کوئی موجود اس کے مماثل ہو سکتا ہے۔ کوئی چیز اس کے مثل نہیں اور نہ ہی وہ کسی چیز کے مثل ہے۔ مقدار اس کی حد بندی نہیں کر سکتی، اطراف اسے سمیٹ نہیں سکتے، جہات اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں، وہ مکان و جہت سے پاک ہے، سب آسمان اور زمینیں اس کو گھیر نہیں سکتے، وہ اسی طرح اپنے عرش پر مستوی ہے، جیسا کہ اس نے فرمایا ہے، اس معنی کے ساتھ جس کا اس نے ارادہ کیا ہے، اس کا یہ استواء فرمانا چھونے سے، قرار پکڑنے سے، تمکن و حلول اور انتقال سے منزہ ہے۔ عرش اس کو نہیں اٹھاتا، بلکہ عرش اور اس کو اٹھانے والے اس کے لطف و قدرت کے سبب اٹھے ہوئے ہیں اور اس کے قبضۂ قدرت میں بے بس ہیں۔ وہ (ذات تو) عرش و سماء سے بلند ہے، اور تحت الثریٰ تک ہر چیز پر فوق اور برتر ہے، یہ بلندی اس کے عرش اور آسمان تک کے قرب میں کچھ اضافہ نہیں کرتی۔ جس طرح کہ وہ زمین و پاتال تک سے اسے دور نہیں کرتی، بلکہ وہ عرش و سماء سے بلند مرتبہ ہے، جس طرح کہ وہ زمین و ثریٰ سے بلند مرتبہ ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر موجود سے قریب ہے، وہ بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ ہر چیز پر نگہبان ہے، کیونکہ اس کا قرب اجسام کے قرب جیسا نہیں ہے، جس طرح کہ اس کی ذات اجسام کی ذاتوں جیسی نہیں ہے، بے شک وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا، اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کر سکتی ہے۔ وہ اس سے بلند ہے کہ مکان اسے گھیر سکے، جس طرح وہ

اس سے پاک ہے کہ زمانہ اس کا احاطہ کر سکے، بلکہ وہ تو زمان ومکان کی تخلیق سے پہلے بھی تھا، وہ اب بھی اپنی اسی ازلی صفت پر قائم ہے، وہ اپنی مخلوق سے اپنی صفات کے اعتبار سے جدا ہے، اس کی ذات میں اس کے علاوہ کوئی نہیں اور نہ اس کے غیر میں اس کی ذات ہے۔ وہ تغیر وانتقال سے پاک ہے، حوادث اس میں داخل اور عوارض اس کو لاحق نہیں ہو سکتے، بلکہ وہ اپنی صفاتِ جلال میں ہمیشہ پاک رہے گا اور اپنی کمالِ صفات میں وہ قبولِ اضافہ سے مستغنی ہے، (ایسا نہیں کہ کوئی چیز اس کے کمال میں اضافہ کرتی ہو، اس لیے کہ وہ تو ازل سے تمام کمالات سے متصف ہے)۔ یہ عقل ودانش کے سبب وہ اپنی ذات میں وجودِ عالم ہے، آنکھوں سے دکھائی دینے والی ذات ہے، دارِ آخرت میں یہ اس کی طرف سے نعمت اور نیکو کاروں کے لیے انعام ہوگا اور اس کی طرف سے اس نعمت کا اتمام وکمال اس کے حسین وجمیل چہرے کی زیارت پر ہوگا۔ (یعنی قیامت میں وہ جیسا چاہے گا اپنے بندوں کو اپنی زیارت کے شرف سے مشرف فرمائے گا)

اب ہم وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے افادات پیش کرتے ہیں: موصوف تحریر فرماتے ہیں:

انسان خدا کو تکلیف پہنچاتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن النبی ﷺ: یقول اللہ عز وجل: یؤذینی ابن آدم، یسب الدھر وأنا الدھر، بیدی الأمر، أقلب اللیل والنھار۔ (1)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان مجھے تکلیف پہنچاتا ہے، (اس طرح کہ) وہ زمانہ کو برا کہتا ہے، حالانکہ زمانہ میں ہی ہوں (آگے

(1) ابوداود: ۵۲۷۴، بخاری: ۶۱۸۱، ۴۸۲۶، ۷۴۹۱، مسلم: ۲۲۴۶، ندیم

اس کی تفسیر یہ ہے کہ) تمام کام میرے دستِ قدرت میں ہیں، (جو کہ زمانہ میں واقع ہوتے ہیں) ۔ میں رات اور دن کو (جو کہ زمانہ کے حصہ ہیں) گردش دیتا ہوں (جس کی طرف آدمی واقعات کو منسوب کرتا ہے۔ سو زمانہ تو مع ان چیزوں کے جو اس میں رونما ہوتے ہیں، خود میرے قبضہ میں ہے۔ پس یہ سب تصرفات میرے ہی ہیں، تو اس کو برا کہنے سے درحقیقت مجھ کو برا کہنا لازم آتا ہے)۔

ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اور زمانہ دونوں متحد نہیں ہیں، مگر عدمِ اتحاد کے باوجود ایک تاویل سے جس کا بیان ترجمہ کے ضمن میں ہو چکا، لفظِ اتحاد کا حکم کیا ہے (کہ زمانہ میں ہی ہوں) محققین کے نزدیک اسی تاویل سے ''اوست'' کا حکم ''ہمہ'' پر کیا گیا ہے، جس کی تقریر یہ ہے کہ ہمہ کا جو مصداق ہے، وہ سب مع اپنے افعال و آثار، قبضۂ حق میں ہے۔ پس حدیث سے اس قولِ صوفیہ کی تائید ظاہر ہے۔

کل ممکنات تو موجودِ ظاہری ہیں اور حقیقت میں کوئی موجودِ حقیقی یعنی موصوف بکمالِ ہستی نہیں، بجز ذاتِ حق کے۔ اسی مضمون کو ''ہمہ اوست'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ روز مرہ کے محاورات کے مطابق یہ ایک جملہ ہے۔ جس طرح کوئی حاکم کسی فریاد کرنے والے سے کہے کہ: کیا تم نے پولیس میں رپورٹ لکھوائی؟ تم نے کسی وکیل سے مشورہ بھی کیا؟

وہ فریادی جواباً عرض کرے:

جناب! پولیس اور وکیل سب آپ ہی ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ حاکم اور پولیس اور وکیل سب ایک ہی ہیں، ان میں کچھ فرق نہیں، بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ پولیس اور وکیل کوئی چیز قابلِ شمار نہیں، آپ ہی صاحبِ اختیار ہیں۔ اسی طرح یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ''ہمہ اوست'' کے یہ معنی نہیں ہے کہ ''ہمہ'' اور ''او'' ایک ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ''ہمہ'' کی ہستی قابلِ اعتبار نہیں، صرف ''او'' کی ہستی لائقِ شمار ہے اور باقی جتنے موجودات ہیں، ہستی تو ان

کی بھی واقعی ہے، مگر ان کی ہستی، ہستی کامل کے سامنے محض ایک ظاہری ہستی ہے، حقیقی یعنی کامل نہیں۔(1)

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر صفت میں دو مرتبے ہوتے ہیں: ایک کامل اور ایک ناقص اور یہ قاعدہ ہے کہ کامل کے روبرو ناقص ہمیشہ کالعدم سمجھا جاتا ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی ادنیٰ درجہ کا حاکم اپنے اجلاس میں شانِ حکومت دکھلا رہا تھا اور اپنے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا کہ اچانک بادشاہِ وقت برسرِ اجلاس، دورہ پر آ پہنچا۔ اس کے، دیکھتے ہی ہوش اڑ گئے اور سب غرور وتکبر ودعویٰ اور نشہ کافور ہو گیا۔ اب جو اپنے اختیارات کو شاہی اقتدار کے روبرو دیکھتا ہے تو اس کا کہیں نام ونشان نہیں پاتا، نیچے کو گڑ جاتا ہے۔ نہ آواز نکلتی ہے، نہ سر اوپر اٹھتا ہے۔ اس وقت گو اس کا منصب وعہدہ معدوم نہیں ہوا، مگر کالعدم ضرور ہے۔

پس اسی طرح یہ سمجھنا چاہیے کہ گو ممکنات موجود ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وجود دیا ہے، موجود تو ہیں مگر وجودِ حق کے روبرو ان کا وجود نہایت ناقص وضعیف وحقیر ہے، اس لیے وجودِ ممکن کو وجودِ حق کے سامنے گو عدم نہ کہیں گے، مگر کالعدم ضرور کہیں گے۔ جب یہ کالعدم ہوا تو وجودِ معتد بہ (جو ایک سے زائد وجود تھا) ایک ہی رہ گیا--- یہی معنی وحدۃ الوجود کے ہیں۔ کیونکہ اس کا لفظی ترجمہ ہے ”وجود کا ایک ہونا“--- سو ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ گو دوسرا ہے تو سہی، مگر ایسا ہی ہے، جیسا نہیں ہے۔ مبالغۃً وحدۃ الوجود کہا جاتا ہے۔

حضرت حق کو مثل زندہ کے سمجھو اور ممکن کو مثل مردہ کے، کہ گو نعشِ مردہ بھی کسی درجہ کا وجود رکھتی ہے، آخر جسم تو ہے، مگر زندہ کے روبرو اس کی ہستی قابلِ اعتبار نہیں،

(1) شریعت وطریقت: ۳۰۹-۳۱۰

کیونکہ مردہ کی ہستی ناقص ہے اور زندہ کی ہستی کامل۔ کامل کے سامنے ناقص بالکل مضمحل اور ناچیز محض ہے۔ اس مسئلہ کو مرتبۂ تحقیق علمی میں توحید کہتے ہیں، جس کی تحصیل کوئی کمال نہیں اور جب یہ سالک کا حال بن جائے تو اس مرتبہ میں ''فناء'' کہلاتا ہے--- یہ البتہ مطلوب و مقصود ہے اور یہی حاصل وحدۃ الشہود کا ہے، جس کی دلالت اس معنی پر بہت ہی ظاہر ہے، کیونکہ اس کا ترجمہ ہے ''شہود کا ایک ہونا''۔ یعنی واقع میں تو ہستی متعدد ہے، مگر سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور (باقی) سب کالعدم معلوم ہوتے ہیں، جیسا اوپر کی مثالوں سے واضح ہو چکا۔

ایک اور مثال سب سے واضح تر، شیخ سعدیؒ نے بیان فرمائی ہے:

مگر دیدہ باشی کہ در باغ وراغ
بتابد بشب کرمکِ چوں چراغ
یکے گفتش اے مرغکِ شب فروز
چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز
ببیں کاتشیں کرمکِ خاک زاد
جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز وشب جز بصحرا نیم
ولے پیشِ خورشید پیدا نیم

یعنی جگنو رات کو چراغ کے مانند چمکتا ہے، اس سے کسی نے کہا کہ تو دن میں باہر کیوں نہیں نکلتا؟ تو اس نے بہت ہی اچھا جواب دیا: میں رات دن جنگل میں ہی ہوتا ہوں، لیکن سورج کی روشنی کے سامنے میری روشنی ظاہر نہیں ہوتی۔

پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلافِ لفظی ہے، کما قال مرشدیؒ، مگر چونکہ وحدۃ الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہو گئے تھے، اس لیے بعض محققین نے

اس کا عنوان بدل دیا، جو کہ اس معنی میں ترک کیے ہوئے عنوان کے زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ لفظ وحدۃ الوجود کی دلالت معنیٔ مذکور پر مجازی ہے اور وحدۃ الشہود کی دلالت اس معنی پر حقیقی ہے اور دلیلِ نقلی اس مسئلہ کی یہ ہو سکتی ہے:

کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ

جیسا کہ شارح عقائد نسفی نے تفسیر کی ہے۔

ظاہر ہے کہ تمام کمالات حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور مخلوقات کے کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا و حفاظت کے سبب ان میں موجود ہیں۔ ایسے وجود کو اصطلاح میں ''وجودِ ظلی'' کہتے ہیں اور ظل کے معنی سایہ کے ہیں۔ سو ''سائے'' سے یہ نہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی جسم ہے اور یہ عالم اس کا سایہ ہے، بلکہ سایہ کے معنی وہ معنی ہیں جیسے کہا کرتے ہیں کہ ''ہم آپ کے زیرِ سایہ رہتے ہیں'' یعنی آپ کی حمایت اور پناہ میں اور ہمارا امن و عافیت آپ کی توجہ کی بدولت ہے۔ اسی طرح چونکہ ہمارا وجود عنایتِ خداوندی کی بدولت ہے، اس لیے اس کو ''وجودِ ظلی'' کہتے ہیں۔ پس یہ بات یقیناً ثابت ہوئی کہ ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی نہیں ہے، عارضی اور ظلی ہے۔ اب وجودِ ظلی کا اگر اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجودِ حقیقی کا ثبوت ہوگا اور اس وجود کو واحد کہا جائے گا، یہ ''وحدۃ الوجود'' ہے اور اگر اس کا بھی اعتبار کیجیے کہ آخر کچھ تو ہے، بالکل معدوم تو ہے ہی نہیں، گو نورِ حقیقی کے غلبہ کی وجہ سے کسی مقام پر سالک کو نظر نہ آئے۔ یہ ''وحدۃ الشہود'' ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ماہتاب، نورِ آفتاب سے حاصل ہے، اگر اس نورِ ظلی کا اعتبار نہ کیا جائے تو صرف آفتاب کو منور اور ماہتاب کو تاریک کہا جائے گا، یہ مثال وحدۃ الوجود کی ہے، اور اگر اس کے نور کا بھی اعتبار کیجیے کہ آخر اس کے کچھ تو آثارِ خاصہ ہیں، گو کہ اس کا نور، آفتاب کے نور کے ظاہر ہونے کے وقت، بالکل مسلوب النور (نور

کا چھن جانا) ہو جائے، یہ مثال وحدۃ الشہود کی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اختلاف لفظی ہے، مآل کار (انجام) دونوں کا ایک ہے، اور چونکہ اصل وظل میں نہایت قوی تعلق ہوتا ہے، اس کو اصطلاحِ صوفیہ میں ''عینیت'' سے تعبیر کرتے ہیں اور عینیت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہو گئے، یہ تو صریح کفر ہے، چنانچہ وہی صوفیاء محققین اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں، پس یہ عینیت اصطلاحی ہے، نہ کہ لغوی۔ اس مسئلہ کی تحقیق تو اسی قدر ہے۔ اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام منثور یا منظوم میں پایا جائے، تو وہ کلام حالتِ سکر کا ہے، جو نہ قابلِ ملامت ہے نہ لائقِ نقل وتقلید (غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے)۔

مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود، مسائل کشفیہ میں سے ہیں، کسی نص کے مدلول نہیں۔ ایسے مسائل کے لیے یہی غنیمت ہے کہ وہ کسی نص سے مصادم (ٹکراتے) نہ ہوں، یعنی کوئی نص ان کے نافی نہ ہو۔ باقی اس کی کوشش کرنا کہ نص کو ان کا مثبت بنایا جائے، اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر نص اس کی محتمل ہو تو درجۂ احتمال تک اس کا رکھنا غلو تو نہیں، مگر تکلف ہے، اور اس کو درجۂ احتمال سے بڑھا دینا غلو ہے اور اگر نص محتمل بھی نہ ہو تو اس کا دعویٰ کرنا احتمالاً یا جزماً نص کی صریح تحریف ہے۔ البتہ اگر وہ دعویٰ بطورِ تفسیر یا تاویل کے نہ ہو، بلکہ محض بطورِ علم اعتبار کے ہو، تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ وہ حکم اگر کسی اور نص سے ثابت ہو تب تو وہ اعتبار، داخلِ حدود ہے، اور اگر وہ کسی اور نص سے ثابت نہ ہو تو وہ بھی تکلف ہے۔ (1)

ضروری وصیت

اول تو تمام مسائلِ کلامیہ میں عموماً اور ان میں سے ان مباحث میں، جن کا تعلق (خدا تعالیٰ کی) ذات وصفات سے ہے، خصوصاً بدون قطعی عقلی یا نقلی (دلیل) کے محض

(1) شریعت وطریقت: ۳۱۰-۳۱۲

ظنیات کی بنا پر کہ کشف سب سے انزل (کم درجہ کا) ہے۔ کوئی حکم کرنا، خصوصاً حکمِ جازم (اٹل فیصلہ) کرنا، بلکہ بلاضرورت کچھ بھی گفتگو کرنا، سخت خطرہ کا مقام اور سلفِ صالحین کے مسلک کے خلاف ہے، اور جن بزرگوں نے کچھ کلام کیا ہے، ان میں سے اکثر کی غرض محض ''اہلِ ہوا'' کا دفع تھا، گو بعض نے اس کو مقصود بنالیا، جو کہ خلاف احتیاط ہے۔ اسلم ایسے مسائل میں یہی ہے کہ نصوص سے تجاوز نہ کریں اور سلف کے مسلک پر اور ان کے اس ارشاد پر کہ ابہمو اما ابہمہ اللہ تعالیٰ پر عمل رکھیں، اور اگر کوئی حقیقتِ زائدہ علی النص کسی دلیلِ ظنی سے اور کشف قطعی یا ظنی کے مخالف بھی نہ ہو تو اس میں بھی خوض (غور وفکر) نہ کریں۔ دونوں جانب کو محتمل سمجھتے رہیں، چونکہ یہ مسئلہ متکلم فیہا بھی ان ہی مسائل میں سے ہے، جن کا تعلق ذات وصفات سے ہے، کیونکہ حاصل اس کا قدیم سے حادث کا ربط وتعلق ہے، اس لیے اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ رکھیں اور اجمالاً یہ اعتقاد تو جزم کے ساتھ رکھیں کہ عالم پہلے ناپید تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم وقدرت سے پیدا فرمایا، باقی یہ کہ کس طرح پیدا فرمایا؟ اس میں غور وفکر نہ کریں، نہ کلام کریں۔ جیسے قضا وقدر کے مسئلہ میں احادیث میں بھی تعلیم منصوص ہے کہ اجمال کے درجہ میں اس کے اعتقاد کو فرض اور شرطِ ایمان فرمایا اور تفصیل کے درجہ میں غور وفکر یا کلام کو منع فرمایا ہے۔(1)

اللّٰھم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ، وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ

العبد ندیم احمد انصاری غفرلہٗ ولوالدیہ

خادم الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا ومدرسہ نورِ محمدی، ممبئی

بعد نمازِ فجر، بروز جمعرات، ۲۸/ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ

---

(1) شریعت وطریقت: ۳۱۳، مسعود پبلیشنگ ہاؤس، دیوبند

مصادر ومراجع

(۱) القرآن الکریم۔

(۲) روشن چراغ (ترجمۂ قرآن پاک) از مولانا فتح محمد جالندھری۔

(۳) معارف القرآن از مفتی محمد شفیع عثمانی ﷫، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند۔

(۴) صحیح البخاری للامام محمد بن اسماعیل بخاری ﷫، مکتبۃ الرشد، ریاض۔

(۵) صحیح مسلم از امام مسلم بن حجاج النیشاپوری ﷫، مکتبۃ الرشد، ریاض۔

(۶) سنن ابی داؤد از امام سلیمان بن اشعث سجستانی ﷫، مکتبۃ الرشد، ریاض۔

(۷) شرح الفقہ الاکبر از ملا علی قاری ﷫، دار النفائس، دمشق۔

(۸) العقیدۃ النسفیۃ از علامہ نسفی ﷫، مکتبہ بلال، دیوبند۔

(۹) قواعد العقائد للامام غزالی۔

(۱۰) مکتوباتِ امام ربانی از مجدد الف ثانی ﷫ اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس، دھلی۔

(۱۱) امداد السلوک از مولانا رشید احمد گنگوھی ﷫ دار الکتاب، دیوبند۔

(۱۲) شریعت و طریقت از مولانا اشرف علی تھانوی ﷫ اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس، دھلی۔

(۱۳) عقائد الاسلام از مولانا ادریس کاندھلوی ﷫ فرید بک ڈپو، دھلی۔

(۱۴) تاریخِ دعوت و عزیمت از مولانا علی میاں ندوی ﷫ لکھنؤ۔

(۱۵) آپ کے مسائل اور ان کا حل از مولانا یوسف لدھیانوی ﷫ کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند۔

(۱۶) فتاوی عثمانیہ از مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند۔

(۱۷) فیروز اللغات از مولانا فیروز الدین ﷫ فرید بک ڈپو، دھلی۔